تصدیق
جلد۱۰ شمارہ۲۰۲۳،۰۵

Article

PAKISTAN’S CIVILIZATIONAL IDENTITY: HISTORICAL BACKGROUND

پاکستان کی تہذیبی شناخت: تاریخی پس منظر

Dr. Ansar Abbas*[1] , Dr. Mazhar Iqbal (Kalyar)[2]
[1]Assistant Professor, Dept of Urdu, University of Mianwali
[2]Researcher, Writer
*Correspondence: ansarabbas@umw.edu.pk

[1] ڈاکٹر انصر عباس،[2]ڈاکٹر مظہر اقبال (کلیار)

[1] اسسٹنٹ پروفیسر (اردو) یونیورسٹی آف میانوالی، [۲] رائیٹر

ABSTRACT:
Muslims and Hindus, after living together for hundreds of years, neither became one nation nor did their civilization and culture become identical. The main reason for the creation of Pakistan is the difference between the civilization and culture of both nations. Pakistan is not the outcome of a war rather it has been titled as the Renaissance for the Muslims. This Renaissance provided the opportunity for Muslims of the Indian subcontinent to prove their splendid past and tremendous pinnacle in the future. But many controversies arose regarding the civilizational and cultural structure of Pakistan, just after its creation of Pakistan. Whether it should be purely Islamic civilization or a mixture of Hindu and Muslim civilizations. This article highlights the motives and evolution of Pakistani civilization which help in the identification of Pakistani civilization and culture.

KEYWORDS: civilization, culture, Renaissance, Muslims, Pakistan, Background, Subcontinent, Historical

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210
DOI:https://doi.org/10.56276/tasdiq.v5i01.138
Received:21-05-2023
Accepted:16-06-2023
Online:06-07-2023

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

اسلامیانِ ہند کے لیے الگ ریاست کا وجود کسی ایک شخص یا تحریک کا مرہونِ منت نہیں بلکہ اس کا بیج مجدد الف ثانیؒ نے بویا تھا پھر اس کو شاہ ولی اللہ، سید احمد شہید اور ان کے رفقا نے اپنے خون سے سیراب کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے مجاہدین کا خون بھی اس پودے کی آبیاری میں شامل ہے جسے بعد میں تحریک ریشمی رومال اور تحریک علی گڑھ جیسی علمی و ادبی تحریک نے جبر و استبداد کے موسم سے اس کی حفاظت کی اور اس کی قوت میں اضافہ کیا۔ علامہ محمد اقبالؒ نے رنگِ سخن سے اس میں رنگ بھرے اور قائد اعظم نے اس کا پھل اسلامیانِ ہند کے سپرد کیا۔ گویا پاکستان، اس کا تصور اور اس کے وجود کی داستان چند سالوں پر نہیں بلکہ صدیوں کو محیط ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد وہ لوگ ایوانِ اقتدار میں داخل ہو گئے جن کو اسلام اور پاکستان سے کوئی خاص دلچسپی یا محبت نہ تھی بلکہ وہ اقتدار کے ایوانوں کے طلبگار تھے۔ ایسے عناصر پاکستان کو دیگر مسائل کی طرح تہذیبی مسئلے میں بھی الجھانے میں کامیاب رہے اور علمی و ادبی حلقوں میں یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ پاکستان کی تہذیب کیسی ہونی چاہیے؟ پاکستان کی تہذیبی تاریخ پر بحث کرنے سے پہلے لفظ "تہذیب" کا مفہوم واضح کرنا ضروری ہے۔ ول ڈیورانٹ کے بقول "تہذیب وہ معاشرتی ترتیب ہے جو ثقافتی تخلیق کو فروغ دیتی ہے۔"(۱) اردو میں بنیادی طور پر یہ لفظ شائستگی کے معنوں میں مستعمل ہے۔ مہذب یا تہذیب سے یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ اس شخص کا کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، رہن سہن یا اندازِ گفتگو معاشرے کے بہترین معیار کے مطابق ہے۔ ایران و برصغیر کے امرا و عمائدین تہذیب کے اس معیار کا عملی نمونہ تھے۔ تہذیب کی تعریف میں سبطِ حسن لکھتے ہیں:

> "کسی معاشرے کی بامقصد تخلیقات اور سماجی اقدار کے نظام کو تہذیب کہتے ہیں۔ تہذیب معاشرے کی طرزِ زندگی اور طرزِ فکر و احساس کا جوہر ہوتی ہے۔ چنانچہ زبان، آلات و اوزار، پیداوار کے طریقے اور سماجی رشتے، رہن سہن، فنونِ لطیفہ، علم و ادب، فلسفہ و حکمت، عقائد و افسوں، اخلاق و عادات، رسوم و روایات، عشق و محبت کے سلوک اور خاندانی تعلقات وغیرہ تہذیب کے مختلف مظاہر ہیں"(۲)

ڈاکٹر ملک حسن اختر اپنی کتاب "تہذیب و تحقیق" میں لکھتے ہیں:

> "اگر ہم تہذیب کو مختصر الفاظ میں بیان کرنا چاہیں تو اسے طرزِ زندگی کا نام دے سکتے ہیں۔۔۔ طرزِ زندگی میں لوگوں کا رہن سہن، سوچ، علم و فنون، معیشت اور سیاست کے اصول، شاعری اور موسیقی، روایات، قدیمی عقائد، زبان اور رسوم شامل ہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں ہی طرزِ زندگی کو متعین کرتی ہیں۔"(۳)

پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا یعنی برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جس ریاست کی بنیاد رکھی گئی اس کا نام پاکستان رکھا گیا۔ پاکستان ریاست مدینہ کے بعد دنیا کی پہلی مملکت تھی جس کی بنیاد اسلام تھا۔ اسلام دو قومی نظریے کا تصور پیش کرتا ہے۔

اسلامی دو قومی نظریہ سے مراد مغربی تصور قومیت کے برعکس جغرافیائی اقوام کی بجائے دو فکری تصورات، دو قومی تصور کہلاتا ہے۔ دو فکری تصورات سے مراد مسلم افکار اور غیر مسلم افکار ہیں۔ اسلامی فکر کی تعلیمات و تشکیل دوسری اقوام سے مختلف ہے۔ غیر مسلم فکری تصور و خیال جس طرح قوم اور قومیت کی تشریح کرتا ہے۔ اس میں کہیں رنگ، نسل اور کہیں زبانوں کے اختلاف نے علیحدہ قوم کی شکل اختیار کی ہے۔ غیر مسلم اقوام نے قومیت کی بنیاد جغرافیائی حد بندی سے رکھی اور انسانوں کو اکٹھا کرنے کی بجائے کئی اقوام میں تقسیم کر دیا جس سے رنگ و نسل، علاقائی تعصب اور مال و دولت کے فرق سے انسانوں اور قوموں کے درمیان واضح خلیج پیدا ہوئی۔ ایسی خلیج جس میں مغربی اقوام مشرقی اور افریقی اقوام و ممالک پہ واضح برتری رکھتی ہیں اور وہ ان علاقوں کے لوگوں کو انسانیت سے کم تر درجے پر تصور کرتی ہیں جبکہ کالے اور گورے رنگ کا اختلاف بھی انسانوں کے درمیان پست اور برتر اقوام کا فرق تصور کیا جاتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں صورت حال باقی ممالک سے قدرے مختلف تھی۔ وسیع و عریض علاقہ ہونے کی بدولت یہاں نہ تو کوئی ایک قوم آباد تھی اور نہ ایک مذہب کے پیروکار۔ یہاں کے باشندے ایک زبان بھی نہیں بولتے تھے بلکہ یہاں کئی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ اسی طرح رنگ و نسل میں بھی اختلاف تھا لہٰذا جب برصغیر کے باشندوں کو ایک قوم اور قومیت میں پرونے کی کوشش کی گئی تو یہاں کے مسلم باشندوں نے خود کو ہندوستانی جغرافیائی قومیت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اسلام اور مسلمان کہیں بھی جغرافیائی سطح پر قومیت کا یقین نہیں رکھتے۔ اسلام کے نزدیک قومیت کی بنیاد جغرافیائی حد بندی، رنگ و نسل یا زبان نہیں ہے بلکہ اسلام میں ایک فکر اور واحدانیت کی بنیاد پر قومیت کو تسلیم کیا جاتا ہے جس کے لیے عمومی طور پر "ملت" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

دنیا میں قوم اور قومیت کی بنیاد جب بھی نظریات کے بجائے کسی اور پہلوؤں پر رکھی گئی تو اس میں اخوت کا فقدان پایا گیا جو کسی بھی قومیت کے لیے لازمی جزو ہونا چاہیے کیونکہ اصل اتحاد و اخوت فکر کی یگانگت سے پیدا ہوتی ہے اور فکری اختلاف ہونے کی صورت میں اخوت میں کمی لازمی امر ہے۔ اسی طرح ایسی ریاستیں جن کی بنیاد فکر و نظریات پر رکھی گئی وہ قدرے زیادہ مستحکم نظر آتی ہیں۔ اب یہ اس ریاست کے باشندوں پر منحصر ہے کہ وہ جس فکر و نظریہ کے تحت قوم کی بنیاد رکھتے ہیں، وہ فکر اور نظریہ کس قدر قوی ہے۔ نظریہ جتنا مضبوط ہو گا قوم اتنی ہی مضبوط و مستحکم ہو گی۔ فکر و نظریہ کمزور پڑ جانے سے قومیت کی اساس میں بھی خامیاں نمودار ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

جہاں تک اسلام اور اس کی تعلیمات کا تعلق ہے تو اس کی تعلیمات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں اور تمام انسانوں کو خواہ وہ کسی بھی قبیلے، قوم، رنگ اور علاقے سے تعلق رکھتے ہوں، ان کو برابری کی سطح پر سمجھا جاتا ہے اور تمام انسانوں کے لیے اخوت، مساوات اور انصاف کا یکساں حکم ہے۔ اسلام کی ان تعلیمات میں انسانی فلاح کی جاذبیت ہے اور لوگ ان تعلیمات کی بدولت ہی حلقہ بگوش اسلام ہوتے آئے ہیں۔ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں نے ان تعلیمات پر زیادہ عمل کیا جس کا اثر یہ ہوا کہ اسلام یثرب کے چھوٹے سے خطے سے دوسرے براعظموں تک پھیل گیا۔ مرور ایام کے ساتھ مسلمانان اسلامی تعلیمات و عقائد سے دور ہو گئے، بنابریں زوال کا شکار بھی ہوئے

لیکن اس کو اسلامی تعلیمات یا فکر و مذہب کی خامی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ اس کے ماننے والوں کی غلطی یا کاہلی ہے جنھوں نے اسلامی فکر و تعلیمات کی بجائے غیر اسلامی اصولوں کو اپنایا۔ گویا اصل مسئلہ فکر و مذہب کا نہیں اس کے پیروکاروں کا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی اقوام یا سلطنتیں قائم ہیں ان کے کچھ قوانین اور اصول وضوابط ہیں جن سے وہ ریاستیں اور اقوام قائم ہیں۔ حاصل نتیجہ یہ کہ قانون اور اصول و ضوابط کے بغیر انسانی زندگی کو جنگلی حیات سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے۔

اسلام نہ صرف ایک مذہب بلکہ ایک نظام حیات بھی ہے اور نظامِ حیات بھی ایسا جو فطرت کا عکسِ عین ہے۔ اسلام میں ارتقائے انسانیت کی وہ تمام خصوصیات شامل ہیں جس سے انسان اپنے عروج کی طرف سفر کرتے ہوئے نہ صرف پر امن اور خوشحال زندگی گزار سکتا ہے بلکہ تسخیرِ کائنات کی تمام منزلیں طے کر سکتا ہے۔ اسلام میں تعصب، تنگ نظری، ناانصافی، ذات پات یا عہدوں اور رتبوں کا انسانی برابری سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کو برابری کے حقوق حاصل ہیں۔ تسخیر کائنات کی لگن، مسلسل غور و فکر، تجسس، جستجو، تحقیق، ندرت خیال، اور فکر میں جدت اس کے اہم اساسی عنصر ہیں۔ جبکہ توحید، رسالت، تقویٰ، حلم، عفو و درگزر اس کے اہم ستون ہیں جن سے انصاف، اخوت، مساوات اور جمہوریت اسلامی تہذیب و تمدن کے خدوخال اجاگر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ فطرت کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے اس میں بڑھنے، پھلنے پھولنے اور تخلیق کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ ان صلاحیتوں کی بدولت اسلام قلیل عرصے میں ہی سرزمین عرب سے افریقہ، ایشیا اور یورپ کے براعظموں میں پھیل گیا اور وہاں پر بھی اسلامی تہذیب و ثقافت کا بول بالا ہونے لگا۔ بغداد، قاہرہ، قرطبہ، سمرقند، بخارا، غزنی، لاہور، دہلی، اور دیگر کئی شہر اسلامی تہذیب و ثقافت کا گہوارہ رہ چکے ہیں۔ برصغیر پاک وہند میں اسلام کی روشنی دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح ظہور اسلام کے تھوڑے عرصے بعد پہنچ گئی۔ تاراچند کے بقول:

> ”ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں ظہور اسلام اور ایک مرکزی ریاست کے ماتحت عرب قبائل کا اتحاد 'عالم گیری کی اس تحریک کے لیے زبردست تازیانہ ثابت ہوا جو اسلامی عہد سے قبل جاری تھا۔ عساکرِ اسلامیہ بہت ہی جلد شام اور ایران فتح کرنے کے بعد ہندوستان کے نواحات تک آپہنچے۔ مسلم تاجروں نے جلد ہی ایرانی بحری تجارت کے ورثے کو اپنا لیا اور عربی بیڑے ہندوستانی سمندروں میں پھیل گئے...... سب سے پہلا مسلم بیڑا ۶۳۶ء میں حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ہندوستانی سمندروں میں نمودار ہوا۔“(۴)

> ”برصغیر میں مسلمانوں کی آمد سے یہاں ترقی اور علم و ہنر کے نئے در کھلے جس سے مقامی باشندوں کی تہذیب و ثقافت پر گہرا اثر پڑا تو برصغیر کے مقامی باشندوں پر ایرانی تہذیب وادب اور علم وفنون عوام کا رنگ چڑھ گیا۔“(۵)

اسلامی تہذیب اور مسلمانوں کی آمد سے برصغیر پاک وہند میں سیاسی انتشار اور افراتفری کا خاتمہ ہوا اور مسلمانوں نے سیاسی استحکام کے ساتھ اخلاقی، معاشی اور معاشرتی پہلوؤں میں بھی جدت پیدا کی جو ہندوستان کے لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کا سبب بنا۔ تاراچند اسلامی فتوحات سے پہلے برصغیر کے حالات بارے لکھتے ہیں:

> "اس زمانے میں جنوبی ہند کے اندر مذاہب کے باہمی تصادم سے بہت ہیجان پھیلا ہوا تھا کیوں کہ متشدد ہندومت برتری حاصل کرنے کے لیے بدھ مت اور جین مت سے برسرِ پیکار تھا۔ سیاسی اعتبار سے بھی یہ ایک بے سکونی کا زمانہ تھا، ایسے موقع پر اسلام ایک سیدھے سادھے ضابطہ ایمان، واضح و معیّن عقائد وعبادات اور معاشرتی تنظیم کے جمہوری نظریات کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔"(٦)

مسلمانوں کی آمد سے برصغیر میں سیاسی انقلاب کے ساتھ تمام شعبۂ ہائے زندگی میں تبدیلی آگئی اور جہالت وگمراہی کے بجائے توحید ورسالت کا چرچا ہونے لگا۔ بت پرستی کی بنیادیں کمزور اور واحدانیت کی بنیاد مضبوط ہونے لگی۔ مسلمانوں نے اخوت، رواداری اور مساوات کی عمدہ مثالیں قائم کیں۔ جس کا مقامی باشندوں پر گہرا اثر پڑا اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ ہندو سرداروں سے لے کر اچھوت تک مسلمانوں سے متاثر ہو کر مسلمان ہونا شروع ہوئے، اور جو لوگ اسلام میں داخل نہ ہو سکے انھوں نے بھی خود کو سدھارنا شروع کر دیا۔ باالفاظ دیگر کہ ہندوستان کے تمام مذاہب، علم، فکر و فن میں بہتری آنی شروع ہوئی اور یہ سب اسلامی تعلیمات اور مسلم تہذیب وثقافت کی وجہ سے ممکن ہوا بقول سبط حسن: "ہندو بھگتوؤں نے اسلامی لٹریچر پڑھ کر اپنے عقائد میں اصلاح نہیں کی بلکہ مسلمان صوفیوں کی زبانی تعلیمات سے یا ان کے طور طریقوں کو دیکھ کر۔"(٧) مطلب یہ کہ ہندو مسلمان علما و صوفیا کی تبلیغ سے زیادہ ان کے حسنِ اخلاق اور اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوئے۔ اسلامی تعلیمات کا اثر نہ صرف برِصغیر کے لوگوں کے مذاہب و معاشرے پر ہوا بلکہ مسلمانوں نے علم وہنر اور فن و تعمیر کی کئی مثالیں قائم کیں۔ مسلمانوں نے مساجد تعمیر کیں، مکتب، مدرسے، اور جامعات قائم کیں اور قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، حساب، طب، شاعری، موسیقی، مصوری، اور خطاطی جیسے فنون کو فروغ دیا۔ مسلمان چونکہ خود بھی زیادہ تر تاجر تھے سو انھوں نے برصغیر میں زراعت اور صنعت و حرفت کے ساتھ تجارت کو فروغ دیا۔ صنعت و حرفت کے میدان میں ہندوستان نے خاطر خواہ ترقی کی اور عمدہ قالین و سکے ڈھلنے لگے اور کاغذ کی صنعت کو فروغ حاصل ہوا۔ مسلمانوں نے کئی نئے شہر بسائے اور سڑکوں کے جال بچھائے۔ اسی طرح دریاؤں سے نہریں نکالیں اور زراعت کو ترقی دی۔ دریاؤں پر پل بنا کر رابطے آسان کیے۔ جس بنا پر اسلام اور مسلمانوں کی آمد سے برصغیر پاک وہند میں سیاسی، سماجی، تہذیبی اور ثقافتی لحاظ سے انقلاب آ گیا تھا۔

مسلمانوں کی ایک خاص خوبی یہ تھی کہ وہ متعصب نہیں تھے۔ انھوں نے زندگی کے ہر شعبہ میں ہندوؤں اور ہندوستانیوں کو اپنے ساتھ شامل کیا۔ چاہے وہ فن تعمیر کا معاملہ ہو یا میدان جنگ ہو، زراعت صنعت کاری ہو یا صنعت و حرفت۔ اس کا اثر ہندوؤں کی اپنی تہذیب وثقافت اور فن تعمیر پر بھی پڑا اور بقول تاراچند:

"اس دور کا ہندوستانی فن تعمیر بھی اس امتزاجی رجحان کا پتا دیتا ہے، ہندو محلات، منادر، یادگاری مقابر، یا چھتریاں اب خالص قدیم انداز پر تعمیر نہیں ہو رہے تھے۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ فن تعمیر کے اسلامی عناصر کو اپنایا بلکہ ان کے اندر ایک نئی روح پیدا ہو گئی تھی۔"(۸)

نئی روح سے مراد یہ کہ ہندوستان اب قدیم بوسیدہ طور طریقوں سے نکل کر جدید اور ترقی یافتہ مملکت کی صورت اختیار کرنے لگا جس میں ہر طرز فکر اور شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والوں کو مکمل آزادی حاصل تھی اور آزادی کے ساتھ ترقی نے امن اور خوشحالی کو عروج بخشا۔

برصغیر میں مسلمانوں نے نہ صرف بقیہ شعبہ ہائے زندگی میں ترقی عطا کی بلکہ سیاسی اعتبار سے ہندوستان کو ایک نئی طاقت بخشی کیونکہ اس سے پہلے کئی چھوٹے چھوٹے قبیلے خود مختارانہ طرز حکومت کو اپنائے ہوئے تھے جسے مسلمانوں نے ختم کر کے ایک طاقتور اور عظیم ہندوستان کی بنیاد رکھی۔ بقول تاراچند:

"مسلم غلبے نے خود مختار طاقتوں کے بے شمار مراکز توڑے اور سرداروں کے سلسلے کو دبانے کی طرف بھی توجہ کی جو مرکزی حکومت اور افراد کے بیچ کا واسطہ بنے ہوئے تھے اور اس طرح سیاسی یکسوئی پیدا کی اور ایک وسیع تر طاقت کا احساس پیدا کیا۔"(۹)

دوسرے لفظوں میں عظیم اور طاقتور ہندوستان کی تکمیل مسلمانوں اور مسلم حکمرانوں کی بدولت ممکن ہوئی۔

چنانچہ یہ وہ بنیادی عناصر تھے جنھوں نے ہندوستان کے مسلمانوں میں قومی حمیت و غیرت پیدا کی تھی اور انھوں نے ایک ایسی قوم کی غلامی قبول کرنے سے انکار کر دیا جو خود ترقی، خوشحالی اور عالمی دنیا میں طاقت کے لحاظ سے مسلمانوں کی مرہونِ منت تھی۔ ہندوؤں کی برتری سے مسلمانوں کے وقار اور عزت کو شدید ٹھیس پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ وہ غلامی کیسے قبول کر لیتے کہ وہ ایک عظیم الشان ثقافتی اور تہذیبی ورثے کے مالک تھے چنانچہ پاکستان کے قیام کے محرکات میں یہ ایک بنیادی محرک شامل ہے جس میں مسلمانان برصغیر کی بقا اور سالمیت اور ان کے حقوق و مفادات کے تحفظ کا مسئلہ تھا۔

برصغیر میں جب سے مسلمان وارد ہوئے اس وقت ہندوؤں نے انھیں علیحدہ قومیت اور سودیشی کہا۔ جب مسلمان فاتحین نے ہندوستان کو اپنا مستقل وطن بنایا اور یہاں کے مقامی باشندوں سے شادیاں کر لیں تو وہ سودیشی نہ رہے بلکہ خالص ہندوستانی کہلائے، البتہ ان کی شناخت ایک علیحدہ قومیت یعنی مسلمان کے طور پر قائم رہی۔ ہزاروں سال ہندوستان پر حکمرانی کے بعد جب ابنائے وطن کی ریشہ دوانیوں سے مسلم اقتدار زوال کا شکار ہوا تو ہندو اور مسلم تہذیب کے فرق کے احساس میں مزید اضافہ ہوا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جب اسلامی اقتدار کا خاتمہ ہوا تو ہندو ذہنیت کھل کر سامنے آگئی جس سے اندازہ ہوا کہ ہزاروں سال مسلمان اور ہندو ایک ساتھ رہنے کے باوجود آپس میں مل نہیں سکے بلکہ وہ مذہبی، سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی لحاظ سے الگ قوم ہیں اور ہندو ازم ابھی تک ان کو سودیشی سے زیادہ کچھ نہیں

سمجھتا بلکہ وہ مسلمانوں کو سودیشی خیال کر کے ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں اور ہندوازم (ہندومت) کو (ملّیچھ) مسلمانوں سے آزاد کرانا چاہتے ہیں۔ قریب تھا کہ برصغیر پاک وہند میں بھی سپین کی تاریخ دہرائی جاتی اور برصغیر میں بسنے والے کروڑوں مسلمانوں کو نکال دیا جاتا اور ان کا ملّی تشخص برصغیر سے ختم کر دیا جاتا۔ ان حالات میں کئی ایک مسلم راہنماؤں نے اپنی قوم کو سہارا دینے کی سعی کی۔ سب سے پہلی کاوش سر سید احمد خان نے کی جنھوں نے انگریزوں سے مصالحت کا قدم بڑھا کر برصغیر میں مسلمانوں کے قدم مضبوط کیے۔ سر سید احمد خان اور ان کے رفقائے کار نے مسلمانوں میں قومی شعور بیدار کرنے کے لیے بھرپور تحریک چلائی جس کی آبیاری بعد میں علامہ اقبال اور ان کے ہم عصر شعرا و مفکرین نے کی اور قائداعظم محمد علی جناح نے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ علامہ محمد اقبال نے شاعری کے ذریعے مسلمانوں کے ثقافتی و تہذیبی کارناموں کو اس انداز سے بیان کیا کہ اسلامی تہذیب و تمدن کی عظمتوں کے نقوش ابھر کر سامنے آ گئے اور برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں میں ایک نئی روح پیدا ہو گئی جس نے ان میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ ان کا ماضی کس قدر شاندار رہے الغرض ان میں اپنے انفرادی تشخص کا شعور بیدار ہو گیا۔

برطانوی راج کے ابتدائی چند سال کا دورانیہ ظلم و جبر اور سیاسی انتقام پر مشتمل ہے۔ جب یہ ستم کچھ کم ہوا تو اہلیانِ برصغیر نے برطانوی سامراج سے آزادی حاصل کرنے کی کوششیں شروع کی گئیں۔ ہندوؤں کو تعداد میں زیادہ ہونے کی وجہ سے برصغیر پاک وہند کی معاشی، سیاسی اور اقتصادی صورت حال پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ انھوں نے صدیوں سے قائم مسلم سلطنت کا بدلہ ان کی نسلوں سے لینا شروع کر دیا جس کو جلد ہی مسلم مشاہیر و اکابرین بھانپ گئے کہ اب اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد ہندوؤں سے مستقل علیحدگی اختیار کر لی جائے تاکہ آنے والی نسلیں ہندوؤں کے انتقام سے محفوظ رہ سکیں۔ علاوہ ازیں مسلمان ہر لحاظ سے ہندوؤں سے ایک الگ قوم ہے اور وہ صدیوں ان کے ساتھ رہنے کے باوجود ضم نہ ہو سکی تھی بلکہ ان کی تہذیب و ثقافت، مذہب، رسم و رواج اور سماجی نظام یکسر مختلف ہے۔ اس لیے مسلمانوں کی بہتری اسی میں تھی کہ وہ ایک علیحدہ سلطنت قائم کریں جہاں خالص اسلامی حکومت ہو، قوانین و تعزیرات کا اجرا شریعت کے مطابق ہو، بیت المال، زکوٰۃ کا نظام قائم ہو اور خالص شرعی عدالتیں قائم ہوں جو اسلام اور قرآن کی روشنی میں فیصلے کر سکیں۔ قائداعظم نے ایک موقع پر انھی خیالات کی پاسداری کرتے ہوئے کہا:

> "ہم ایک قوم ہیں اور ہماری تہذیب و ثقافت اپنی ہے۔ ہمارا زبان و ادب اپنا ہے۔ ہمارے نام رکھنے کے اصول اپنے ہیں۔ اقدار اور نسبتوں کا تصور ہمارا اپنا ہے۔ ہمارا قانون اور نظام اخلاق اپنا ہے۔"(۱۰)

قائداعظم کی مندرجہ بالا تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامیانِ ہند کے لیے علیحدہ مملکت کا حصول نہ صرف ایک ضرورت تھی بلکہ پاکستان ایک نظریہ ہے اور ایسا نظریہ جس کی بنیاد آج سے چودہ سو سال پہلے سرزمینِ عرب میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے رکھی تھی۔ آپؐ کا مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں پہلی جمہوری ریاست کا قائم کرنا، جس میں مسلمانوں کو مذہبی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی آزادی

حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ تمام مذاہب اور عقیدے کے لوگوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ مدینہ کی یہ ریاست برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک واضح مثال موجود تھی کیونکہ مسلمان آپؐ کی رہنمائی میں مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے ایک علیحدہ ریاست کی بنیاد نہ رکھتے تو شاید آج ہم بھی لا الہ الااللہ محمد الرّسول اللہ سے محروم ہوتے۔ اگر اللہ کے رسول ﷺ کفار مکہ کے ساتھ معاہدہ کر کے ان کو اپنے عقیدے پر قائم رہنے دیتے اور خود اپنے عقیدے پر قائم رہتے اور وطن (مکہ) کی محبت میں وہاں سے نہ نکلتے تو اسلام ایشیاء، یورپ اور افریقہ تک نہ پھیلتا بلکہ مکہ میں ہی آپؐ کی رحلت کے بعد چند سالوں میں حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتا۔ بالکل اسی طرح اگر برصغیر کے مسلمان علیحدہ وطن کے قیام کا مطالبہ اور کوششیں نہ کرتے اور وہ متحدہ ہندوستان میں ہی رہنا پسند کرتے تو اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ چند سالوں یا صدیوں میں برصغیر سے اسلام نام کی کوئی چیز باقی نہ رہتی۔ ہو سکتا ہے کہ مسلمان رہتے لیکن وہ بھی برائے نام مسلمان۔ جن کا اسلام اور اسلامی روایات سے کوئی خاص تعلق نہ رہتا۔

ایک دوسرا اور اہم نقطہ یہ ہے کہ متحدہ ہندوستان کی صورت میں سیاسی اقتدار و اختیار کے مالک ہندو ہوتے کیونکہ وہ اکثریت میں تھے اور یہ ایک ہندو ریاست کہلاتی اور جب کبھی ان کا اسلام یا مسلمانوں سے واسطہ پڑتا تو اتنی بڑی سلطنت مسلمان ممالک کو زیادہ سے زیادہ زچ پہنچا سکتی تھی اور برصغیر کے مسلمان سوائے افسوس کرنے کے کچھ بھی نہ کر سکتے (جیسا کہ ۱۹۴۸ء، ۱۹۶۵ء، ۱۹۷۱اور کارگل کی پاک بھارت جنگوں کے دوران میں ہوا ہے) کیونکہ مسلمان دنیا کے جس کونے اور ملک میں آباد ہوں، ان کا دل اسلام اور مسلمانوں کے لیے دھڑکتا ہے اور ان جنگوں کے دوران بھارت میں آباد مسلمان بہت افسردہ ہوتے تھے لیکن وہ ہندو دھرم کے آگے بے بس تھے۔

بض لوگوں کا علیحدہ مملکت کے تصور سے اس وجہ سے اختلاف تھا کہ ان کے خیال میں برصغیر مسلمانوں کی ریاست اور ملک ہے تو وہ کیسے اس کے کچھ حصے کو لے کر بقیہ ہندوؤں کے حوالے کر دیں؟ وہ لوگ تقسیم کے خلاف صرف اس وجہ سے تھے کہ برصغیر کا خطۂ ارضی صرف مسلمانوں کا ہے اور قائد اعظم اور ان کے چند ساتھی اس کے تھوڑے سے حصے پر اکتفا کیوں کر رہے ہیں؟ اس سوال کا جواب انتہائی آسان اور سادہ ہے کہ بے شک برصغیر میں مسلمان صدیوں حکمران رہے اور برصغیر کسی دور میں دنیا کی بڑی طاقتوں میں شمار ہوتا تھا اور ان طاقتوں کے مالک مسلمان تھے لیکن وہ قوت و اقتدار اور سلطنتیں فتوحات سے حاصل ہوئی تھی اور ان فتوحات کے پیچھے وہ جذبہ کارفرما تھا جس نے دنیا کا نقشہ بدل ڈالا تھا، لیکن مملکت پاکستان کا قیام کسی فتح کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ یہ اس تحریک کا ماحصل تھا جسے برصغیر میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا نام دیا گیا ہے اور فتح اور نشاۃ ثانیہ میں خاصا فرق ہے۔ پروفیسر جیلانی کامران نشاۃ ثانیہ کی تعریف اور اس کا مسلمانان ہند کے ساتھ تعلق کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "نشاۃ ثانیہ ہر لحاظ سے ایک فکری تحریک کے طور پر ظاہر ہوتی ہے اور پھر اس تحریک سے سیاسی اور معاشرتی عمل پیدا ہوتا ہے جسے فکری تحریک کے ذریعے بدلنے کی کامیاب کوشش کی جاتی ہے۔
> علاوہ ازیں نشاۃ ثانیہ ایسی قوم کے اندر وقوع پذیر ہوتی ہے جس کی اپنی تاریخ ہوتی ہے۔ نشاۃ ثانیہ

ایسی قوموں کے درمیان ظاہر نہیں ہوتی جن کی تاریخ کا وجود نہیں ہوتا۔ نشاۃ ثانیہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے وہ قوم جو اس عمل میں شامل ہوتی ہے، نہ صرف اپنی تاریخ کے ماضی کو ایک تحریک اور اور اثر کے طور پر تسلیم کرتی ہے بلکہ جمود اور محکومی کو ختم کر کے اپنے لیے نئے مستقبل کی تعمیر کا وعدہ ہوتا ہے۔"(۱۱)

مسلمانانِ برصغیر کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد مجدد الف ثانیؒ نے رکھی لیکن اس کا تناور درخت جنگ آزادی کے بعد سر سید احمد خان اور ان کے رفقائے کار کی بدولت ممکن ہوا اور آخر میں قائد اعظم کی شب و روز محنت سے پاکستان کا وجود اسی نشاۃ ثانیہ کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ پاکستان ایک فکری بنیاد پر وجود میں آیا اس لیے اسے نشاۃ ثانیہ سے جدا نہیں کیا جا سکتا بلکہ برصغیر کے مسلمانوں کی تعمیر و ترقی اور رفعت و عظمت کو تسلیم کرنے کے ساتھ تہذیبی برتری کے تحفظ کو قائم کرنا اور نئے سرے سے پہلے سے بہتر طور پر پیدا ہونا نشاہ ثانیہ کے زمرے میں آتا ہے۔

تحریک پاکستان کے دوران میں کانگریسی رہنما یہ چاہتے تھے کہ بھارت ماتا پر ہندوؤں کا مکمل کنٹرول ہو جانے کے بعد وہ دوسرے مذاہب کو اپنے عزائم کے مطابق اس حد تک مجبور کر دیں گے کہ یا تو وہ ہندوستان چھوڑ دیں گے یا ہندو مذہب قبول کر لیں گے اس لیے انھوں نے قومیت کی بنیاد مذہب کی بجائے وطن پر زور دیا جو کہ جدید مغربی تصور قومیت بھی ہے لیکن مسلمان مفکرین ہندوؤں کے ان ارادوں کو اچھی طرح سمجھ گئے اور انھوں نے قومیت کی بنیاد وطن کی بجائے مذہب کو تسلیم کر لیا اور ویسے بھی اسلام میں قومیت کی بنیاد مذہب ہے، علاقہ یا وطن قومیت کے زمرے میں نہیں آتا اور مسلم قومیت کی تشکیل دین و مذہب سے ہوتی ہے جغرافیائی یا لسانی حد بندیوں سے نہیں۔ اس لیے برصغیر کے مسلمانوں نے خود کو ہندوستانی کہلوانے کے بجائے مسلم کہلوانے کو فوقیت دی بلکہ خود کو ہندوستانی مسلمان کہلوایا۔ اقبال تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک قوم میں مربوط ہونے کی ترغیب دیتے ہوئے نظم "طلوع اسلام" میں کہتے ہیں:

بُتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی (۱۲)

دین اسلام تمام جغرافیائی حد بندیوں سے آزاد ہے اور لامحدودیت کا قائل ہے پاکستان کا قیام اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں تمام دنیائے اسلام ایک قوم اور ملت تصور کی جاتی ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی مکہ سے مدینہ ہجرت دراصل اس امر کی متقاضی تھی کہ مسلمانوں کے لیے مقامی وطن کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ اصل چیز نصب العین ہے۔ برصغیر کے مسلمان بھی اسی نصب العین کو پاکستان میں عملی جامہ پہنانا چاہتے تھے اور برصغیر کے مسلمانوں پر شہنشاہیت کی جو چھاپ لگی ہوئی تھی اس کو مٹانے اور ایک خالص اسلامی جمہوری حکومت قائم کرنا ان کا نصب العین تھا کیونکہ شہنشاہیت کی تشکیل میں مسلمانوں کو کامیابی ضرور ہوئی تھی لیکن اسلام کی ثقافتی نشو نما کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی تھی اور اس طرح بیرونی اور مقامی ثقافتیں جن میں غیر ضروری اور غیر اسلامی روایات بھی پائی جاتی تھیں، اسلامی

حکومت میں مروج ہو گئی تھیں۔ مسلمان قوم ہر لحاظ سے خیر الامم ہے کیونکہ اس کو آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی اتباع نصیب ہوئی جن کی نبوت کا مقصد پورے عالم میں اخوت، رواداری اور انصاف کو جاری کرنا تھا اور ان کی تعلیمات اخلاقی قوتوں کے ذریعے پوری کائنات کو مسخر کرنے کے لیے تھیں، جن کو بروئے کار لا کر مسلمانوں نے پوری دنیا میں اسلام کا پرچم لہرایا تھا۔ اب پھر موقع تھا کہ اسلامی تہذیب و ثقافت کو پروان چڑھایا جائے اور آپؐ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے پوری بنی نوع انسان کو اخلاقیات کے تابع کیا جا سکے۔ ترکی کی طرز پہ پاکستان کسی لادینی ریاست کے قیام کی حامل نہیں ہونا چاہیے تھا بلکہ اس کا مقصد خالص اسلامی ثقافت کی روح کو تقویت پہنچانا اور پورے عالم کے لیے ایک مثالی ریاست ثابت کرنا تھا۔

مسلمانانِ برصغیر اور قائد اعظم جیسے رہنماؤں کی شب و روز محنت اور قیادت سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان عالمِ ارض پر ایک مسلم ملک کی حیثیت سے نقش ہو گیا جس کے بعد برصغیر کے بھارتی علاقوں سے بہت بڑی تعداد میں مسلمان علاقائی و وطنی محبت کو بھلا کر اسلامی نظریے اور عقیدے کی پاسداری کے لیے پاکستان پہنچے۔ یہ ہجرت ملّی جذبے اور نظریے کی بنیاد پر عالمی دنیا میں مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ مسلمانانِ برصغیر کو اپنا شاندار ماضی اور عظیم الشان عروج کو ثابت کرنے کے لیے یہ ایک بہترین موقع تھا۔ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے بغیر کسی قوم، مذہب و گروہ کی دخل اندازی اور میل جول پیدا کیے خالص اسلامی اصولوں کی بنیاد پر ایک ایسی مثالی ریاست جس میں عالمی اسلامی معاشرہ کا قیام ممکن بنایا جا سکے، متعارف کروایا جا سکتا تھا۔ ایسی اسلامی ریاست جس کا خواب اقبال نے دیکھا تھا اور مسلمانانِ برصغیر نے اپنے خون سے جس درخت کو سینچا تھا، وہ اب فصل دینے کو تیار تھا۔ لیکن پاکستانی عوام کی بدقسمتی کہ قیام پاکستان کے ایک سال بعد بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ فوت ہو گئے جس سے تمام عالم اسلام اور خصوصی طور پر مسلمانانِ پاکستان کو شدید صدمہ اور اساسِ پاکستان کو شدید نقصان پہنچا۔ اقتدار پر سیکولر اور آزاد خیال لوگوں کا قبضہ ہو گیا اور مسلمانوں کا دیرینہ خواب پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا حالانکہ قائد اعظم نے بارہا اپنی تقریروں میں اسلام اور اس کی عملی شکل بروئے کار لانے پر زور دیا تھا:

"اس برصغیر میں ہم ایک بڑی قوم ہیں اور ہمارا شاندار ماضی ہے اور ہماری تاریخ عظیم الشان ہے،
لیکن اسے ثابت کرنا باقی ہے تا کہ اسلام کا دوبارہ عروج ہو، اس کی عظمت ظاہر ہو اور اس کی شوکت
دنیا پر آشکار ہو۔"(۱۳)

قیام پاکستان کے بعد پاکستانی تہذیب و ثقافت کے بارے کئی متضاد رائے پیدا ہو گئیں۔ اسلامی حلقوں کا خیال تھا کہ پاکستان کا قیام خالص اسلامی نظریے کی بنیاد پر تھا تو اس کی تہذیب و ثقافت پر بھی کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے اور اس کی تہذیب اسلامی تہذیب ہونی چاہیے لیکن یہ بات واضح کرنے میں وہ حلقے بھی ناکام رہے کہ پاکستان میں اسلامی تہذیب سے مراد عربی لباس، بول چال، زبان اور طرز زندگی ہے، عربی شہنشاہیت ہے یا کچھ اور۔ اگر خلافت راشدہ کو خالص اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی ثقافت تصور کر لیا جائے تو موجودہ دور میں اس پر کیسے عمل کیا جا سکتا ہے لہٰذا اس سے:

"ہندی مسلم تہذیب و ثقافت "کا ایک نیا پہلو سامنے آیا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی "پاکستانی کلچر "میں ہندی مسلم تہذیب کو پاکستان کی تہذیب کہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم اس ہند مسلم ثقافت کے وارث ہیں جو برصغیر میں مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ دور حکومت کے زیرِ اثر پروان چڑھی ہے۔"(۱۴)

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے ایک ہزار سالہ ملاپ یا اکٹھے رہنے کے باوجود وہ نہ تو ایک قوم ہو سکے اور نہ ان کی ایک ثقافت تھی، لہٰذا یہ بات کرنا حقائق کے مخالف ہے کیونکہ اگر مسلمانانِ برصغیر پاک و ہند کی تہذیب و ثقافت میں فرق نہ کرتے تو پاکستان کی کیا ضرورت تھی؟ لہٰذا اس سے مسلم لیگ اور اقبال و قائداعظم سمیت تحریک پاکستان کے تمام مسلمانوں کے خیالات و نظریات کی نفی ہوتی ہے کیونکہ مسلمانوں نے الگ وطن کا مطالبہ مذہبی اختلاف کے ساتھ تہذیبی و ثقافتی اختلاف کی بنیاد پر کیا تھا، قائداعظم نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا:

"ہندوستان میں بہت سی نسلیں آباد ہیں۔۔۔۔ ان میں سے اکثر ایک دوسرے سے نژاد، رسم و رواج، اور طرز زندگی میں اسی طرح مختلف و ممتاز ہیں جس طرح اقوام یورپ۔ اس کے دو تہائی باشندے کسی نہ کسی شکل میں ہندو مذہب کے ماننے والے ہیں اور سات کروڑ سے زیادہ باشندے اسلام کے پیرو ہیں اور دونوں قوموں میں نہ صرف مذہب ہی کا فرق نہیں ہے بلکہ ان کے قانون اور ثقافت میں بھی زبردست اختلاف ہے۔"(۱۵)

یعنی ہم ہندی مسلم ثقافت کو پاکستانی ثقافت و تہذیب تسلیم کر لیں تو پاکستان بنانے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اس طرح کانگرس کے مؤقف کی تائید اور مسلم لیگ کے مؤقف کی نفی ہو جاتی ہے جس سے لاکھوں مسلمان جن کے جان و مال و عزتیں صرف پاکستان کے حصول کی خاطر قربان ہوئی تھیں ان کے جذبات کو شدید ٹھیس پہنچانے والی بات ہے۔ اگر پاکستانی تہذیب کو ہند و مسلم تہذیب ہی قرار دینا تھا تو دونوں طرف سے ہجرت کے دوران میں خون کی ہولی نہ کھیلی جاتی۔ قرۃ العین حیدر اپنے ناول "آگ کا دریا" میں لکھتی ہیں کہ:

"ہندوستان پوری کوشش کر کے یہ ثابت کرنے میں مصروف ہے کہ تقسیم غلط تھی اور ملک دراصل ایک ہے اور اس کی تہذیب ناقابل تقسیم۔ پاکستان یہ ثابت کرتا ہے کہ تقسیم بالکل جائز اور صحیح تھی اور یہاں کا کلچر بے حد مختلف ہے اور اسی علیحدہ قومیت کی بنیاد پر ملک حاصل کیا گیا ہے۔"(۱۶)

لہٰذا جمیل جالبی کا نظریہ ہندوستان اور کانگرس کا ترجمان تو ہو سکتا ہے لیکن مسلم لیگ اور معماران پاکستان کے مؤقف کی تردید کرتا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد معاشرے اور ایوانانِ اقتدار میں جاگیردار اور سرمایہ دار قابض ہو گئے جن کو دین اسلام سے کوئی خاص رغبت نہ تھی۔ سیاسی اور معاشی طور پر بھی ہم آزادی کے فوراً بعد امریکہ کے جال میں پھنس گئے کیونکہ ہجرت کے بعد معاشی طور پر

پاکستان کافی کمزور ہو گیا تھا اس وجہ سے کہ برصغیر کی معیشت زیادہ تر ہندو تاجروں اور ساہوکاروں کے ہاتھ تھی جو اپنا سرمایہ اور بوریا بستر لپیٹ کر ہندوستان چلے گئے اور ہندوستان سے مہاجرین لٹ پٹ کر خالی ہاتھ پاکستان پہنچے جن کے پاس نہ کچھ کھانے کے لیے تھا اور نہ رہنے کے لیے مکان بنانے کا سرمایہ۔ ان حالات میں پاکستان اور مسلم دشمن عناصر کو اپنی سکیم پر عمل درآمد کرنے کا موقع ملا اور وہ اپنے ارادوں میں کسی حد تک کامیاب ہو گئے۔

قیامِ پاکستان کے بعد دیگر مسائل کی طرح علمی و ادبی حلقوں میں پاکستان کی تہذیبی شناخت کے حوالے سے بھی بحث چھڑ گئی جو ابھی تک کسی خاطر خواہ نتیجے پر نہیں پہنچ سکی۔ پاکستان ایک خود مختار الگ ریاست ہے جو عربوں کے زیر اثر نہیں آتی لہٰذا اس کی تہذیب کے ساتھ عرب تہذیب کا واسطہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کا تعلق صدیوں پہلے قائم ہونے والی موہنجو دڑو اور ہڑپہ کی تہذیبوں سے شروع ہوتا ہے مسلم فاتحین جن میں محمد بن قاسم، محمود غزنوی اور غوری وغیرہ تو غاصب اور ظالموں میں شمار ہوں گے لیکن ایسا قطعاً نہیں ہے کیونکہ موہنجو دڑو اور ہڑپہ کی تہذیبیں دور قدیم کی ایک الگ تہذیبیں ہیں جن کو کسی صورت بھی اسلامی یا پاکستانی تہذیب کے ساتھ شامل نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان ایک بالکل جداگانہ ثقافتی تصور کی پیداوار ہے۔ مسلمان فاتحین و علماء برصغیر پاک و ہند نہ آتے تو برصغیر میں مسلم تہذیب جنم نہ لیتی اور یوں پاکستان کا نظریہ جو قیامِ پاکستان کا جواز تھا، جنم نہ لیتا۔

اسی طرح عہد مغلیہ میں برصغیر پاک و ہند میں قائم مسلم حکومتوں کو بھی پاکستانی تہذیب و ثقافت کے لیے بطور نمونہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ایک تو وہ حکومتیں شخصی تھیں اور ان حکومتوں میں اسلامی قانون سے شخصی حکم زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ ان مسلمان حکمرانوں نے غیر مسلم مقامی باشندوں کی خوشنودی کے لیے نظام سلطنت میں کچھ ایسے احکام جاری کیے جو غیر اسلامی تھے، اکبر بادشاہ کا دین اکبری اس کی سب سے بڑی مثال ہے۔ تیسری بات یہ کہ بادشاہ خود بھی اسلام کا کوئی عملی نمونہ نہیں تھے۔ برصغیر کے مسلم حکمرانوں کے عہد میں طوائف الملوکی، امرد پرستی، میخانوں کا رواج اور زنا عام تھا۔ خود بادشاہوں کی سینکڑوں کنیزیں ہوتی تھیں تو رعایا پر بھی ان بدکاریوں کی پابندی کیسے لگائی جا سکتی تھی۔ یہ بات بھی درست ہے کہ چند حکمرانوں نے اسلامی تعلیمات پر عمل کروانے کی کوششیں کیں جن میں اورنگزیب عالم گیر شامل ہے، لیکن ایسے حکمرانوں کی تعداد بھی کچھ زیادہ نہیں ہے۔ سب سے اہم بات یہ کہ انتقال اقتدار کا نظام اسلامی نہیں تھا۔ اورنگزیب نے ہی اقتدار کے لیے اپنے بھائیوں کو قتل کروا دیا تھا۔ اسلام اور اسلامی ثقافت ایسے افعال کی قطعاً اجازت نہیں دیتی۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ پاکستانی تہذیب کیسی ہونی چاہیے؟ کیا پاکستانی تہذیب و ثقافت عربی کلچر کی تقلید ہی اسلامی کلچر ہو گا یا وہ تہذیب جس کا ذکر اوپر جمیل جالبی نے کیا ہے؟ محمد حسن عسکری اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”لوگ اسلام کو ایک خاص قوم یعنی عربوں سے منسلک کر دیتے ہیں چنانچہ ان لوگوں کے نزدیک اسلامی کلچر کے معنی ہیں "عربوں کا کلچر" پھر خود عربوں کی تاریخ میں کئی کلچری تبدیلیاں ہوتی رہی

ہیں وہ بھی ان لوگوں کو قبول نہیں ہیں۔۔۔ بعض لوگ چاہتے ہیں کہ عربی کو پاکستان کی قومی زبان بنایا جائے، ایک گروہ ایسا بھی ہے جس کی خواہش ہے کہ پاکستان کے لوگ عربی لباس پہنا کریں مسلمانوں میں بات یہ ہے کہ اسلام نے چند بنیادی خیالات پیش کر دیے تھے اور مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ ان خیالات کو پیش نظر رکھ کر دنیا کے ہر حصے سے علم حاصل کرو، جو اور کو آتا ہو وہ ان سے سیکھو، جو تمھیں آتا ہو وہ اوروں کو سکھاؤ، اس کلچر کا مطلب عربوں جیسا لباس نہیں ہے نہ عربی زبان بولنا۔"(۱۷)

حسن عسکری کی رائے حقیقت پر مبنی ہے اور وزن رکھتی ہے کہ اسلام نے چند بنیادی اصول وضع کیے ہیں جس میں نہ عربی لباس لازم ہے اور نہ عربی زبان بلکہ قرآن وحدیث میں مسلمانوں کے لیے زندگی گزارنے اور علم کے حصول کے احکامات بیان کیے ہیں جن پر عمل لازم ہے۔ حسن عسکری مسلمانانِ برصغیر کے جن عوامل وافعال کو پاکستانی تہذیب کے لیے بطور نمونہ پیش کرتے ہیں وہ کسی حد تک کارآمد ہیں اور ان عوامل سے شاید ہی کسی کو انکار ہو:

"اسلام کے بنیادی تصورات کے بعد ایک اور کلچری تصور ہے جس کا حق ہم سب پر زیادہ ہے اور وہ ہے ہند اسلامی کلچر، عمومی اعتبار سے یہ وہ کلچر ہے جو دہلی کی مسلمان سلطنتوں کے زیر سایہ نشونما پاتا رہا ہے جس کے سب سے بڑے مظاہر دو ہیں: مغل عمارتیں اور اردو زبان۔۔۔۔ ہند اسلامی تہذیب کا بنیادی خاکہ ہمارے پاس موجود ہے اور ہماری کلچری عمارت اس کے اوپر تعمیر ہونی چاہیے مگر یہ بھی ناممکن ہے کہ پاکستان کا کلچر لفظ بہ لفظ وہی ہو جو دہلی یا لکھنؤ کا کلچر تھا ایک مطلق العنان بادشاہی اور جمہوری ریاست میں فرق ہونا چاہیے۔"(۱۸)

پاکستانی کلچر اور ہند اسلامی کلچر کا فرق نہ صرف مطلق العنان بادشاہی اور جمہوری ریاست کا ہونا چاہیے بلکہ پاکستانی کلچر میں ان غیر اسلامی افعال پر بھی سختی سے پابندی ہونی چاہیے جو مسلم بادشاہوں اور ان کی اشرافیہ کی طرز زندگی کا حصہ تھے اور رعایا بھی انھی کے رنگوں میں رنگی ہوئی تھی۔ یہی غیر اسلامی افعال ہی بنیادی طور پر مسلم اقتدار کے زوال کا سبب بنے تھے۔ اگر پاکستانی کلچر میں ان بدکاریوں و غیر اسلامی اعمال کی اجازت دے دی جائے کہ یہ ہند اسلامی کلچر کا حصہ تھے تو ان افعال کی ایک خالص اسلامی ریاست میں قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

برصغیر پاک وہند میں مسلم حکمرانوں کا عہد اسلامی سے زیادہ شخصی تھا۔ یہ مانا کہ انھوں نے اسلامی تعلیمات کی پذیرائی بھی کی لیکن اس معاشرے یا کلچر کو خالص مسلم معاشرہ یا اسلامی ثقافت نہیں کہا جا سکتا کیونکہ خالص اسلامی ریاست میں حاکم کی بجائے خلیفہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے اور وہ احکام الٰہی کی پاسداری کرتا ہے لیکن اگر مغلیہ بادشاہوں کے کلچر کو اسلامی کلچر مان لیا جائے تو گویا اکبر بادشاہ کا دین الٰہی سمیت ان بادشاہوں کی تمام اخلاقی برائیوں کو بھی مان لیا جن کے خلاف حضرت مجدد ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ جیسے صوفیاء کرام

https://tasdeeq.riphahfsd.edu.pk

اور علمائے دین نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں علم بغاوت بلند کیا تھالہٰذا مغلیہ یا برصغیر کے مسلم حکمرانوں کی ثقافت کو پاکستانی ثقافت کے قابل تسلیم نہیں کیا جاسکتا سوائے اردو زبان اور عظیم الشان عمارتوں کے، جو کہ پاکستانی ثقافت کے لیے مثبت پہلو ہیں۔

پاکستانی تہذیب و ثقافت کے بارے میں ہمارے عظیم مفکر، شاعر اور فلسفی علامہ محمد اقبالؒ کا نظریہ ثقافت ہمارے سامنے ہے جس کی رو سے پاکستانی کلچر کو پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔ اقبال نے اپنے پورے کلام میں اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا پرچار کیا ہے۔ خاص کر ان کا پانچواں انگریزی خطبہ "اسلامی ثقافت کی روح" اسلامی ثقافت کو سمجھنے اور پاکستان میں اس پر عمل کرنے کے لیے سرمایہ افتخار ہے۔ پروفیسر محمد عثمان، علامہ اقبال کے انگریزی خطبات کا اردو ترجمہ "فکر اسلامی کی تشکیل نو" کی صورت میں پیش کرتے ہیں اور اقبال کے پانچویں خطبے "اسلامی ثقافت کی روح" میں اقبال کا نظریہ اسلامی ثقافت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اسلامی ثقافت پر گفتگو کا آغاز بالعموم نظریہ توحید سے ہوتا ہے اس لیے اسلامی فکر و کردار کی ساری عمارت توحید پر قائم ہے۔ قرآن حکیم کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ خدا ایک ہے وہ پوری کائنات کا خالق و مالک اور رب ہے اس دنیا یا کسی اور دنیا کی کوئی شے اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں۔ سب انسان ایک آدم کی اولاد ہیں اور سب خدائے واحد کی مخلوق ہیں۔۔۔انسانوں کی اس برابری کو معاشرے میں عملاً نافذ کرنا اسلامی ثقافت کا نقطہ آغاز ہے۔ انسانوں کی مساوات کے بعد اسلامی ثقافت جس بات پر زور دیتی ہے وہ جنسی پاکیزگی ہے۔ وہ بے حیائی اور فحش کاری کو شیطانی عمل اور بدترین فعل سمجھتی ہے اور اسلامی معاشرے کو اس سے پاک رکھنا چاہتی ہے۔۔۔ انسانی مساوات اور جنسی پاکیزگی کے ساتھ اسلامی ثقافت کی ایک اہم ترین خصوصیت اس کا عدل و انصاف پر زور ہے۔"(۱۹)

پاکستان کا قیام خالص اسلام کے نام پر ہوا تھالہٰذا مذہبی حلقوں اور علماء کرام کے دباؤ کے تحت اسلامی اصول و عقائد کے مطابق پاکستانی قوانین و تہذیب کو ڈھالنے کی کوشش کی گئی جس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلامی قوانین و ضوابط اور تہذیب و ثقافت میں لچک کے کردار کو نظر انداز کر دیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندی تہذیب کے عناصر بدستور قائم رہے۔ دیہاتوں میں خاص کر ہندی روایات کی پیروی کی جارہی ہے جبکہ شہری طبقے دو حصوں میں منقسم ہیں، ایک پیروی مغرب میں مصروفِ عمل ہیں اور دوسروں پر اسلامی روایات کا غلبہ ہے۔ اس لحاظ سے ستر سال گزرنے کے باوجود پاکستان کی نہ تو کوئی ایک تہذیب بن سکی ہے اور نہ مسلم علماء شرعی اصطلاحات مذہب یعنی اجتہاد سے قدیم و جدید معاشرے میں ہم آہنگی پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔ لہٰذا مذہب کے عقائد کو صرف عبادات و رسوم تک رسائی مل سکی ہے۔ جبکہ اسلامی تہذیب کی روحِ اصل یعنی اسلامی فکر و نظر سے قدیم و جدید علوم میں تحقیق سے ابھی تک بے بہرہ ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ول ڈیورنٹ، انسانی تہذیب کا ارتقا، مترجم؛ تنویر جہاں، فکشن ہاؤس، لاہور: ۲۰۱۷ء، ص ۵

۲۔ سبط حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقا، مکتبۂ دانیال، کراچی: ۲۰۱۷ء، ص ۱۷

۳۔ ملک حسن اختر، ڈاکٹر، تہذیب و تحقیق، یونیورسل بک ڈپو، لاہور: ۱۹۸۵ء، ص ۳۱

۴۔ تاراچند، ڈاکٹر، تمدن ہند پر اسلامی اثرات؛ (مترجمہ محمد مسعود احمد)، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۰ء، ص ۱۰۷

۵۔ سبط حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، ص ۱۳۹

۶۔ تاراچند، ڈاکٹر، تمدن ہند پر اسلامی اثرات، ص ۱۰۹

۷۔ سبط حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، ص ۱۶۰

۸۔ تاراچند، ڈاکٹر، تمدن ہند پر اسلامی اثرات، ص ۲۳۴

۹۔ ایضاً، ص ۲۳۷

۱۰۔ بحوالہ جیلانی کامران، قائد اعظم اور آزادی کی تحریک، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۰ء، ص ۱۵۳۔۱۵۴

۱۱۔ جیلانی کامران، قائد اعظم اور آزادی کی تحریک، ص ۱۴۱۔۱۴۲

۱۲۔ اقبال، علامہ محمد، کلیاتِ اقبال، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۷ء، ص ۳۰۰۔۳۰۴

۱۳۔ بحوالہ جیلانی کامران، قائد اعظم اور آزادی کی تحریک، ص ۱۶۶

۱۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، پاکستانی کلچر، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۸ء، ص ۷۰

۱۵۔ بحوالہ عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی جدیدیت؛ (مترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی)، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۹ء، ص ۲۳۸۔۲۳۹

۱۶۔ قرۃ العین حیدر، آگ کا دریا، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۹ء، ص ۵۶۴

۱۷۔ عسکری، محمد حسن۔ "پاکستان کا کلچر"، مشمولہ، کلچر...... منتخب تنقیدی مضامین؛ (مرتبہ اشتیاق احمد)، کراچی: فضلی بک سپر مارکیٹ، ۲۰۰۷ء، ص ۲۲۔۳۲

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۳

۱۹۔ محمد عثمان، فکر اسلامی کی تشکیل نو، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۱۲۳۔۱۲۴